ڈاکٹر احسان الحق

عہد سامانی میں
وسطی ایشیا میں علوم عربیہ و اسلامیہ

عباسی سلطنت کے عروج کے زمانہ میں ۲۴۷ھ تک، اندلس اور مراکش کے سوا باقی ساری اسلامی دنیا سندھ اور فرغانہ سے لے کر قیروان تک عباسی سلطنت کے تحت تھی۔ لیکن عباسی سلطنت کے زوال کے بعد اتحاد و وحدت کا خاتمہ ہوگیا، جس صوبہ کو جہاں موقعہ ملا وہاں اس نے خود مختار حکومت قائم کرلی۔ انہیں میں وسط ایشیا کے علاقہ میں قائم ہونے والی مشہور "سامانی حکومت" تھی۔

وسط ایشیا کے ممالک تاریخ کے اس دور میں خراسان اور ماوراء النہر کے نام سے پہچانے جاتے تھے۔ سامانی عہد میں یہ ممالک خوب پھلے پھولے۔ سامانیوں نے ان علاقوں پر ۲۶۱ھ سے ۳۸۹ھ تک (۱۲۸سال) حکومت کی۔

سامانی بادشاہ بلخ کے ایک فارسی النّسل معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ خلیفہ مامون الرشید اس خاندان کی ذہانت و فطانت سے بہت متاثر تھا اور اس نے ان کی حکومت کو سند عطا کردی۔ اس خاندان کا سربراہ اسد بن سامان تھا، اس کے بعد اس کے چاروں بیٹے مامون کے اطاعت گزار ہوکر اس کی طرف سے گورنر مقرر ہوئے۔ چنانچہ نوح سمرقند کے، احمد علی فرغانہ کے، یحییٰ تاشقند کے اور اسماعیل علی ہرات کے والی مقرر ہوئے۔ خراساں کا اطلاق وسیع و عریض رقبہ پر ہوتا تھا۔ مختلف جہتوں سے اس کے چار دارالخلافے تھے۔ ایک نیشاپور، دوسرا مرو، تیسرا ہرات، اور چوتھا بلخ۔

سامانی اقتدار کا دوسرا بڑا مرکز "ماوراء النہر" تھا۔ یہ علاقہ پانچ حصوں میں تقسیم ہوتا ہے۔

۱۔ صغد، جس کے دو بڑے شہر تھے بُخارا اور سمرقند۔

۲۔ خوارزم جو خیوہ اور کیوہ بھی کہلاتا ہے۔

۳۔ صغانیاں

۴۔ فرغانہ

۵۔ الشاش، جسے آج کل تاشقند کہتے ہیں۔

ماوراء النہر کے مشہور شہروں میں فرغانہ، شاش، سمرقند، بخارا، فاراب، ترمذ، اشروسنہ، زمخشر اور جرجان ہیں۔

مقدسی، خراساں اور ماوراء النہر کو "اقلیم مشرق" کے نام سے یاد کرتا ہے۔ مقدسی نے سامانی عہد میں اس علاقہ کا سفر کیا اور اپنے تاثرات یوں بیان کیے:

"انہ اجل الاقالیم و اکثرها اجلتہ وعلماء وهو معدن الخیر و مستقرّ العلم و رکن الاسلام المحکم و حصنہ الاعظم، ملکہ خیر الملوک وجندہ خیر الجنود، فیہ یبلغ الفقهاء درجتہ الملوک"

"بے شک یہ عظیم خطّہ ہے، علماء و فضلاء کی کثیر تعداد یہاں ہے، یہ بھلائی کا معدن، علوم کا مرکز، اسلام کا مضبوط ستون اور عظیم قلعہ ہے، اس کا بادشاہ نیک اور اس کی فوج بہترین فوج ہے، اس میں فقہاء کا مقام بادشاہوں جیسا ہے"۔

مقدسی کہتا ہے کہ میں نے عضد الدولتہ کے ذخیرہ کتب میں خراسان کی یہ تعریف پڑھی ہے:

"خراسان فی غذاء الهواء و طیب الماء،و صحّتہ التربتہ، و احکام الصنعتہ، و تمام الخلقتہ، و جودتہ السّلاح و التجارتہ والعلم و العفتہ والدّرایتہ ترس فی وجہ الترک"۔

"خراسان اپنی آب و ہوا کی عمدگی، زمین کی زرخیزی، مضبوط صنعت، کمال خلقت، عمدہ اسلحہ و تجارت، علم و عفّت اور درایت کے لحاظ سے ترکوں کے لیے مقابلہ کی ڈھال ہے"۔

اہل خراسان کی مزید تعریف کرتے ہوئے مقدسی لکھتا ہے کہ "اہلِ خراسان نہایت تفقّہ کے مالک، حق کو مضبوطی سے پکڑنے والے اور خیر و شر کو خوب پہچاننے والے ہیں، رسم و رواج میں عربوں کے زیادہ قریب ہیں، علماء و فضلا علم کثیر کے ساتھ ساتھ عجیب و غریب حافظہ کے مالک، صائب الرّائے اور مرفّہ الحال ہیں۔ خراسان ہی میں مرو ہے جس سے دنیا قائم ہے، بلخ ہے جو مقصودِ جہاں ہے اور نیشاپور ہے جو ناقابلِ فراموش ہے۔ یہود کثیر تعداد میں ہیں اور نصاریٰ قلیل ہیں، اولادِ علی اوج کمال پر ہیں، ان کا مسلک درست اور سیدھا ہے۔ خوارج سجستان اور ہرات کے نواح میں کثیر تعداد میں ہیں۔ معتزلہ کا غلبہ نیشاپور میں ہے، مجموعی طور پر امام ابوحنیفہ کے مسلک پر عمل کیا جاتا ہے، سوائے شاش، طوس، نسا اور ابیور کے، جہاں کے باشندے شافعی ہیں۔

یہ لوگ مختلف زبانیں بولتے ہیں۔ نیشاپور کی زبان فصیح اور سمجھ میں آنے والی ہے۔ سوائے اس کے کہ یہ لوگ کلمات کے اوائل کو توڑتے ہیں اور اُن کے لہجے میں لوچ ہے۔ اہل طوس و نسا خوبصورت زبان بولتے ہیں، سجستان کی زبان اجڈ اور اکھڑپن لیے ہوئے ہے جو اُن کے دلوں کی تنگی پر

دلالت کرتی ہے۔ اہلِ بست کی زبان عمدہ ہے۔ اور ہرات والوں کی زبان میں دہقانیت ہے، اہلِ بلخ فصیح اللّسان ہیں اگرچہ ان کی زبان میں کلماتِ سب و شتم بہت زیادہ ہیں۔ اس علاقہ میں مذہبی عصبیتیں بہت ہیں، شیعہ، کرامیہ، شافعیوں اور حنفیّوں کے درمیان معرکہ آرائیاں ہوتی ہیں۔ جس میں بعض دفعہ حکومت وقت کو مداخلت کرنا پڑتی ہے۔ سامانی بادشاہ اپنی سیرت، کردار اور رعُب و دبدبہ، نیز اہلِ علم کی پذیرائی و قدردانی میں اپنی مثال آپ ہیں، اسی وجہ سے مثل مشہور ہے:

"لو ان شجرةً خرجت علیٰ آل سامان لیبسَت"

"یعنی اگر کوئی درخت بھی آل سامان کے خلاف خروج کرے گا تو مُرجھا جائے گا"۔[1]

مُحدّثین

مقدسی کی اس گواہی کے بعد وسطی ایشیا کی علمی خدمات پر طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے ہم سب سے پہلے "طبقہ محدّثین" کا ذکر کریں گے جنھوں نے علم دین کی عظیم خدمت انجام دی اور علم کی خاطر دُور دراز ممالک کا سفر اختیار کیا۔ انہیں میں سرفہرست "امام بخاری" ہیں جنھوں نے علم کی خاطر اپنے وطن بخارا سے عراق، شام، حجاز اور مصر کا سفر کیا اور احادیث کی اسناد، متن، اور رجالِ حدیث کے احوال جمع کیے اور ان کے حفظ اور ثقاہت کے بارے میں معلومات اکٹھا کیں۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے دس سال کی عمر میں احادیث کا اچھا خاصا ذخیرہ یاد کرلیا تھا، اور جب سولہ سال کی عمر میں پہنچے تو کتبِ حدیث زبانی یاد کرنا شروع کیں۔ پھر اپنی والدہ اور ہمشیرہ کے ہمراہ مکّہ معظّمہ تشریف لے گئے۔ مکہ و مدینہ کے محدّثین سے طلب حدیث کی، پھر ملکوں ملکوں پھرے اور احادیث جمع کیں۔ آخر کار چھ لاکھ احادیث کے ذخیرے سے کڑی شرائط پر اپنے مجموعہ کو ترتیب دیا۔ صحیح بخاری کی تدوین میں سولہ سال صرف ہوئے اور یہ مجموعہ اقصائے عالم میں مشہور ہوا۔ بصرہ و بغداد، رے و خراسان، ماوراء النہر و نیشاپور میں اسے قبولِ عام حاصل ہوا، ہزاروں علماء اس سے مستفید ہوئے۔ آخر عمر میں فتنۂ خلق قرآن کے باعث امام بخاری بخارا بدر کیے گئے اور سمرقند کے ایک گاؤں خرتنگ میں ۲۵۶ھ میں وفات پائی۔

نیشاپور میں امام مسلم بن الحجاج نیشاپوری "صحیح مسلم" کے حوالہ سے مشہور ہوئے، انھوں نے بھی امام بخاری کی طرح حجاز، عراق، شام اور مصر کا سفر کیا اور تین لاکھ احادیث سے صحیح احادیث کا انتخاب کر کے اپنا مجموعہ "صحیح مسلم" مرتّب کیا۔ بعض محدّثین صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر بعض وجوہ کی بنا پر ترجیح دیتے ہیں۔ صحیح مسلم اپنی عمدہ ترتیب، کثرتِ طرق اور روایت میں محافظت الفاظ کی بنا پر یقیناً امتیازی شان رکھتی ہے۔ یہ کتاب نیشاپور میں حدیث کے میدان میں ایک بڑی علمی تحریک کا باعث بنی اور خلقِ خدا نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ امام بخاری اور امام مسلم کی ان خدمات سے اس خطّہ میں علمِ حدیث سے ایک خصوصی شغف پیدا ہوگیا۔ آج تذکرۂ محدثین میں ہم محدثین کی ایک کثیر تعداد

ایسی پاتے ہیں جن کا تعلق اسی خطّہ بالخصوص نیشا پور سے ہے۔

فقہ

فقہ کے میدان میں "ابوحاتم محمد بن حبّان التمیمی السمرقندی" جیسے لوگ پیدا ہوئے، حدیث اور جرح و تعدیل میں بھی آپ نمایاں مقام رکھتے تھے، آپ نے شاش اور اسکندریہ کے سینکڑوں شیوخ سے تعلیم حاصل کی، پھر سمرقند کے قاضی ہوگئے، ۳۵۴ھ میں وفات پائی۔

اسی طرح اس خطّہ کے "امام ابوبکر محمد بن المنذر نیشا پوری" بھی معرفتِ حدیث کے ساتھ ساتھ اجتہادی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ ۳۱۶ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

اس خطّہ کے شافعی اور حنفی علماء بھی اسلامی بلاد و امصار میں علم و تفقّہ کی وجہ سے مشہور ہوئے۔ شوافع کے بڑے علماء میں "محمد بن علی القفال الشاشی" قابلِ ذکر ہیں جو ماوراء النہر میں امام وقت سمجھے جاتے تھے۔ شافعی مسلک کی اشاعت میں آپ کا بہت بڑا حصّہ ہے، فقہ و اصول میں آپ کی متعدّد تصانیف ہیں۔ ۳۶۵ھ میں شاش میں آپ کا انتقال ہوا۔

"ابوبکر بن فورک" بھی بہت بڑے اصولی اور متکلّم تھے، نیشا پور کے مدرسہ میں درس دیتے تھے۔ تقریباً سو کتابوں کے مصنّف ہیں، ۴۰۶ھ میں نیشا پور میں وفات پائی۔

"ابوبکر احمد بن حسین البیھقی الحافظ الشافعی" کا تعلق نیشا پور کے قریب "بیھق" سے ہے، علم کی طلب میں ملکوں ملکوں پھرے، آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے امام شافعی کے اقوال کو دس جلدوں میں جمع کیا، آپ کی مشہور تصانیف میں "سنن کبیر، سنن صغیر، دلائل النّبوۃ، مناقب الشافعی اور مناقب امام احمد بن حنبل" قابلِ ذکر ہیں۔ تدریس کے لیے آپ نیشا پور طلب کیے گئے اور وہیں ۴۵۸ھ میں وفات پائی۔

حنفیّہ میں "امام ابومنصور ماتریدی" قابلِ ذکر ہیں۔ وہ علم کلام میں احناف کے لیے ایسا ہی مقام رکھتے ہیں جیسے "امام اشعری" کا شوافع میں ایک ممتاز مقام ہے۔ آپ کی مشہور کتب میں "کتاب التوحید"، اوہام المعتزلہ"، اور "ماخذ الشرائع فی الفقہ والجدل فی اصول الفقہ" وغیرہ ہیں۔ ۳۳۳ھ میں وفات ہوئی۔ ماترید کی طرف نسبت رکھتے تھے جو سمرقند کا ایک محلّہ ہے۔

یہ مختصراً چند مثالیں ہیں اُن علماء، محدثین اور فقہاء کی جو اس خطّہ نے پیدا کیے۔ اس کے علاوہ بھی محدثین و فقہاء کی تصانیف میں کثیر تعداد میں ایسے افراد کے نام ملتے ہیں جو ان علاقوں کی طرف نسبت رکھتے ہیں۔ یہ نسبتیں وسط ایشیا کے اس خطہ کی مردم خیزی پر دلالت کرتی ہیں جیسے بلخی، سرخسی، خوارزمی، سمرقندی، فارابی، بخاری، ترمذی، صاغانی، ابیوری، قاشانی، شاشی، نیشا پوری، مروزی، ہروی، فرغانی، زمخشری، صغدی، بیھقی وغیرہ۔

تصوّف

مصر و عراق کی طرح اس خطہ میں بھی تصوف کو فروغ حاصل ہوا۔ مشہور صوفی "شفیق بلخی" کا تعلق اسی علاقہ سے ہے جنھوں نے ۱۵۳ھ میں وفات پائی۔ پھر انہی ملکوں میں تصوّف کی تحریک جاری رہی اور "ابو حفص عمر بن سالم الحداد نیشاپوری" متوفی ۲۷۰ھ، "ابو تراب نخشبی"، ابو علی الجوزجانی، ابو بکر محمد بن عمر الحکیم الوراق ترمذی، ابو عبداللہ محمد بن منازل نیشاپوری (سلسلہ ملامیتہ کے شیخ)، اور ابو العباس بن القاسم بن مہدی جیسے صوفیاء اور زہاد پیدا ہوئے۔

فلسفہ

جہاں تک فلسفہ کی تحریک کا تعلق ہے تو اس میں دو نمایاں شخصیات "ابوزید بلخی" اور ابوالقاسم کعبی" کی ہیں۔ ابوزید احمد بن سہل البلخی نے علم شریعت اور ادب و فلسفہ کو جمع کیا۔ ابوحیان توحیدی فرماتے ہیں:

"میری رائے میں متقدمین و متاخرین میں تین اشخاص ایسے ہیں کہ اگر کونین کے علماء و فضلاء ان کی مدح و تعریف کریں اور فضائل علم و اخلاق میں ان کی خدمات کا ذکر کریں اور ان کی تصانیف و رسائل کا ذکر و احاطہ کریں تو ان میں سے کسی کی خدمت کا حق ادا نہ ہوگا۔ ان میں پہلے "ابو عثمان عمرو بن الجاحظ" ہیں۔ دوسرے "ابوحنیفہ الدینوری" اور تیسرے "ابوزید احمد بن سہل بلخی" ہیں۔ ابوحنیفہ الدینوری نادرہ روزگار شخصیات میں سے ہیں جنھوں نے فلاسفہ کی حکمت اور عربوں کی بلاغت کو جمع کیا۔ ابوزید احمد بن سہل بلخی وہ نادرہ روزگار شخصیت ہیں کہ کوئی شخص جو علوم کی اقسام، قوموں کے روّیوں اور اخلاق میں، اور نظمِ قرآن کے موضوعات پر ان کی تحریروں کا مطالعہ کرے گا اس پر یہ حقیقت کھل جائے گی کہ وہ علم کا سمندر ہیں، عالموں کے عالم ہیں، جنھوں نے فلسفہ و شریعت کو یکجا کر دیا"[۲]۔

ابوزید احمد بن سہل بلخ میں پیدا ہوئے، عراق کا سفر کیا اور آٹھ سال حصولِ علم میں بسر کیے پھر اپنے علاقہ لوٹ آئے، انہیں خراسان کا "جاحظ" بھی کہا جاتا ہے۔ مختلف علوم میں ساٹھ کتب تصنیف کیں جن میں کتاب "نظمِ قرآن" بھی ہے۔ یہ اپنے موضوع پر منفرد کتاب ہے، مصنّف نے نہایت لطیف و دقیق پیرایہ میں گفتگو کی ہے اور نظمِ قرآن کے اسرار و رموز کی نقاب کشائی کی ہے۔ مصنّف قرآن میں جدل کے قائل نہیں، بعض صحابہؓ کو بعض پر فضیلت دینے میں بھی کبیدہ ہوتے ہیں، عرب و عجم کی مفاخرت کو بھی ناپسند کرتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ ان تینوں موضوعات پر مناظرہ و بحث کا کوئی فائدہ نہیں۔ ان کی تصانیف میں "کتاب اقسام العلوم"، "شرائع الادیان"، "کتاب السیاستہ الکبیر والصغیر"، حدود الفلسفتہ"، "کتاب الردّ علی عبدۃ الاوثان" اور "کتاب اخلاق الامم" قابلِ ذکر ہیں۔ مصنف

جغرافیہ میں بھی دسترس رکھتے تھے چنانچہ "صور الاقالیم" کے نام سے آپ نے کتاب لکھی جو رنگین نقشوں سے مزین ہے، آپ کا ۳۲۲ھ میں بلخ میں انتقال ہوا۔

ابوالقاسم عبداللہ بن احمد الکعبی کا تعلق بھی بلخ سے تھا، آپ ابوزید کے معاصر اور دوست تھے۔ علم کلام کے ماہر اور معتزلہ کے امام سمجھے جاتے ہیں، آپ ایک خاص مسلک کے بانی ہیں جو "کعبیّہ" کہلاتا ہے۔ ۳۱۷ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ ان دو سرداران علم کی کوششوں سے اس خطہ میں حکمت و تعقل کی جو تحریک چلی اس کا تاج مشہور فلسفی "ابن سینا" ہے جو مملکت سامانیہ کا درِّ شہوار ہے۔ ابوعلی الحسین بن عبداللہ بن الحسین بن علی بن سینا، عہد سامانی کی علمی تحریک کی نمایاں ترین شخصیّت ہے جن کی کتاب "القانون فی الطب" آج بھی مشرق و مغرب کے اہلِ علم کا مرجع ہے۔ ابن سینا اپنے شاگرد ابوعبید جوزجانی کے حوالہ سے اپنے حالات خود بیان کرتے ہیں:

"میرے والد کا تعلق بلخ سے تھا، نوح بن منصور سامانی کے دور میں وہ بلخ سے بخارا منتقل ہوئے۔ وہاں کے ایک گاؤں میں کام کاج کرنے لگے۔ میری قرآن اور ادب کی تعلیم کے لیے اتالیق مقرر کیا گیا، میرے والد مصریوں (فاطمیوں) کی دعوت پر لبیک کہنے والے اسماعیلی شمار کیے جاتے تھے، میں نے ان سے نفس و عقل کے موضوع پر اسماعیلی نقطۂ نظر کی حامل گفتگو سُنی، یہی حال میرے بھائی کا تھا۔ بسا اوقات میں ان کے مابین ہونے والا مذاکرہ سنتا اور جو وہ کہتے اسے پانے کی کوشش کرتا تو میرا دل اسے قبول نہ کرتا۔ پھر وہ مجھے اپنا موقف اختیار کرنے کی دعوت دینے لگے۔ ان کی زبانوں پر فلسفہ، ہندسہ اور ہیئت کے مسائل ہوتے جبکہ میں فقہ سے دلچسپی رکھتا تھا۔ پھر ابوعبیداللہ ناتلی بخارا آئے جو فلسفی سمجھے جاتے تھے۔ میرے والد نے میرے استفادہ کے لیے انہیں اپنے گھر ٹھہرایا۔ چنانچہ میں نے "ایسا غوجی" پڑھنا شروع کی، اور جو مسئلہ بھی پڑھتا اس سے بہتر میں خود تصوّر کرلیتا۔ پھر میں نے خود اپنی تعلیم کا اہتمام کیا۔ اور شرحوں کا مطالعہ کرنے لگا۔ یہاں تک کہ میں علم منطق میں پختہ ہو گیا۔ اسی طرح اقلیدس کی کتاب کی پانچ یا چھ شکلیں پڑھیں پھر باقی کتاب خود حل کرلی، پھر مجسطی شروع کی، اور طبیعیّات و الٰہیات کی نصوص و شروح کا خود مطالعہ شروع کیا۔ علم کے دروازے مجھ پر کھلنے لگے۔ پھر میں علم طب کی طرف راغب ہوا اور مریضوں کی دیکھ بھال شروع کی اور ایسے ایسے تجربات سے سابقہ ہوا جو ناقابلِ بیان ہیں۔ ان سب علوم کے ساتھ ساتھ میں فقہ کی طرف متوجہ رہا اور اس میں غور و فکر کرتا رہا۔ میں نے ارسطو کی مابعد الطبیعات پڑھی تو میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا اور مایوسی طاری ہو گئی۔ پھر میں نے اسے چالیس مرتبہ پڑھا یہاں تک کہ مجھے یاد ہو گئی۔ میں نے کہا کہ یہ کتاب کبھی نہیں جا سکتی۔ ایک دن میرا گزر ورّاقین (کتب فروشوں) کے پاس ہوا تو ایک ورّاق نے ایک مجلّد کتاب خریدنے پر اصرار کیا اور کہا کہ یہ سستی ہے تو میں نے تین دراہم میں خرید لی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہ مابعد الطبیعات کے مقاصد میں فارابی کی کتاب ہے، میں اسے گھر لے آیا اور جلدی سے پڑھ ڈالی تو اس

وقت ارسطو کی مابعد الطبیعات کے عقدے مجھ پر کھلے کیونکہ وہ مجھے زبانی یاد تھی ... اس وقت بخارا کا سلطان نوح بن منصور سامانی اچانک بیمار پڑ گیا، چنانچہ علاج کے لیے اطباء طلب کیے گئے۔ میں بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک دن موقعہ پا کر میں نے سلطان سے ان کے کتب خانے میں داخلہ کی اور علم طب کی کتابوں کے مطالعہ کی اجازت طلب کی تو بادشاہ نے اجازت دے دی۔ میں جب کتب خانہ میں داخل ہوا تو دیکھا کہ وہ ایک بڑی عمارت ہے جس میں کئی گھر ہیں اور ہر گھر میں کتابوں کے بھرے ہوئے صندوق ہیں جو ترتیب کے ساتھ اوپر تلے رکھے ہوئے ہیں۔ ایک میں عربی ادب اور شعر کی کتابیں ہیں اور دوسرے میں فقہ کی کتابیں ہیں، اس طرح ہر گھر ایک الگ علم کی کتب پر مشتمل تھا چنانچہ میں نے متقدّمین کی کتب کی فہرست کا مطالعہ کیا اور جن کی مجھے ضرورت تھی وہ کتابیں میں نے طلب کیں، میں نے ایسی ایسی کتابیں دیکھیں جو میں نے اس سے پہلے نہیں دیکھی تھیں اور نہ اس کے بعد دیکھیں چنانچہ میں نے ان کتب کو پڑھا اور ان کے فوائد سے فیض یاب ہوا اور ہر شخص کے علمی مرتبہ سے آگاہ ہوا ... الی اخرہ۔[۳]

ابن سینا نے امیر غزنہ محمود بن سبکتگین کے ہاتھوں بخارا کا سقوط دیکھا اور رے اور ہمدان کا سفر کیا، اپنے عہد کے متعدد جلیل القدر علماء سے ملا۔ انہیں میں البیرونی، ابوالخیر بن اسمار اور ابوالقاسم کرمانی ہیں۔ ابنِ سینا کی تصانیف نے وہ شہرت پائی جو فلاسفہ شرق میں کسی اور فرد کو نصیب نہیں ہوئی۔ کتاب "القانون" کے علاوہ "الشفا"، "اشارات"، اور "نجات" ہر اس شخص کا مرجع رہی ہیں جس نے اسلامی فلسفہ کا مطالعہ کیا۔ ابن سینا ۳۷۰ھ سے ۴۲۸ھ تک زندہ رہے۔

شاعری

اس خطّہ کی شاعری میں عراق و فارس کے اسالیب اختیار کیے گئے، تخیّل کی جولانی، مبالغہ کی گہرائی اور تشبیہات میں تنوّع یہاں کی شاعری کی خصوصیات تھیں۔ سامانی بادشاہوں نے ادب و شعر کی خصوصی سرپرستی کی، خاص طور پر وزیر بلعمی اور ابوعبداللہ الجیہانی ادب و شعر کے دلدادہ تھے، ابوالفضل محمد بن عبید اللہ البلعمی کے آباء و اجداد کا تعلق عرب کے قبیلہ تمیم سے تھا۔ وہ عقل، رائے، علم اور اہل علم کی قدردانی میں اپنے زمانہ میں منفرد تھے، انہوں نے تاریخ طبری کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ جیہانی جن کا پورا نام ابوعبداللہ محمد بن احمد الجیہانی ہے، وہ بڑے ادیب، بلند مرتبہ شخصیّت اور جرأت مند انسان تھے۔ ان دونوں شخصیّتوں نے بخارا میں علمی و ادبی تحریک کو مہمیز دی۔

سامانی عہد کے متعدّد شعراء کا تذکرہ ثعالبی نے اپنی مشہور تصنیف "یتیمتہ الدہر" میں کیا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ قابلِ ذکر "محمد بن موسی الحدادی بلخی" ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ بلخ نے چار شخصیتیں پیدا کیں: علم کلام میں ابوالقاسم کعبی، بلاغت میں ابوزید بلخی، فارسی شاعری میں سہل بن حسن اور عربی

شاعری میں محمد بن موسیٰ۔

ثعالبی کا قول ہے:

"کانت بخاری فی الدّولتہ السامانیتہ مثابتہ المجد و کعبتہ الملک و مجمع افراد الزمان و مطلع نجوم ادباء الارض و موسم فضلاء الدہر"

عہد سامانی میں بخارا بزرگی کا ٹھکانہ، اقتدار کا کعبہ، اور نابغۂ روزگار شخصیتوں کا سنگم اور جہانِ ادب کے ستاروں کا مطلع اور فاضلانِ دھر کے لیے سازگار مقام تھا۔[۴]

اس خطّہ نے دو مشہور ادیب پیدا کیے، ابوبکر الخوارزمی اور بدیع الزّمان ہمدانی --- ابوبکر محمد بن العباس الخوارزمی کا تعلق خوارزم سے تھا۔ پھر یہ شام چلے گئے اور حلب میں سیف الدّولہ کے مہمان ہوئے اور رے میں صاحب بن عبّاد کے ہاں ٹھہرے پھر نیشا پور لوٹ آئے اور ۳۸۳ھ میں انتقال کیا۔

دوسرے مشہور ادیب بدیع الزّمان ہمدانی ہیں۔ ابوالفضل احمد بن الحسن، ہمدان میں پیدا ہوئے۔ ۳۸۲ھ میں نیشاپور گئے اور اپنے مشہور "مقامات" لکھے۔ مقامات کی صنف میں بدیع الزمان ہمدانی نے خصوصی مقام حاصل کیا، جو ان کے حسنِ خیال، دقتِ نظر، ادبی تخلیق میں مہارت، اور گردش ایام کے نشیب و فراز پر ان کی گہری نظر پر دلالت کرتا ہے۔ اسی صنف کو بعد میں حریری نے اپنایا اور "مقاماتِ حریری" نے عربی میں نقشِ دوام حاصل کیا۔

لُغت

اسی عہد میں ایک اور بڑا نام "عبدالملک الثعالبی النیشاپوری" کا ہے، ثعالبی نابغۂ روزگار شخصیّت تھے۔ لُغت، علم و ادب اور تاریخ میں انہیں خصوصی مقام حاصل ہے۔ انہوں نے مشہور کتاب "فقہ اللغتہ" میں معجم کی تدوین کا ایک نیا تصوّر دیا اور وہ یہ کہ کلمات کو موضوعات کے اعتبار سے ایک ہی جگہ جمع کر دیا جائے۔ بعینہ، یہ خیال ابن سیّدہ کو اندلس میں آیا چنانچہ ثعالبی نے "فقہ اللغتہ" اور ابن سیدہ نے "المخصّص" لکھی۔ دونوں مصنّفین ہم عصر ہیں، ثعالبی کی وفات ۴۲۹ھ اور ابن سیّدہ کی وفات ۴۵۸ھ میں ہوئی۔ ثعالبی کی دوسری مشہور تصنیف "یتیمتہ الدھر فی محاسن اھل العصر" ہے جس میں چوتھی صدی ہجری کے ادباء کا تذکرہ ہے۔ مصنّف کی دیگر تصانیف میں "الاعجاز والایجاز"، "خاص الخاص"، "ثمار القلوب فی المضاف والمنسوب"، من غاب عنہ المطرب"، "نثر النظم"، حل العقد"، "غرر اَخبار ملوک الفرس" اہم اور اپنے موضوع پر مفید کتابیں ہیں۔

اس خطّہ سے لغت کے ائمہ میں ازہری کا نام شہرہ آفاق حیثیت کا حامل ہے۔ "ابومنصور محمد بن احمد ابن الازہر" کا تعلق ہرات سے ہے۔ یہیں پیدا ہوئے اور یہیں انتقال ہوا۔ حصولِ علم کے لیے

عراق تشریف لے گئے، اور ابن درید جیسے علمائے لغت سے تلمذ اختیار کیا۔ پھر لغت کی جمع و تدوین کے لیے ملکوں ملکوں سفر کیا۔ یہاں تک کہ قرامطہ کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ یہ اسیری آپ کے لغت کی تدوین کے مقصد میں معاون ثابت ہوئی۔ جن بدوی قبائل نے آپ کو قید کیا تھا وہ نہایت فصیح اللسان تھے، ان کی گفتگو میں کوئی لحن یا فاش غلطی نہیں ہوتی تھی۔ چنانچہ ازہری نے بے شمار الفاظ اور نادر کلمات اپنی کتاب میں داخل کیے، "تہذیب اللغتہ" دس جلدوں میں مرتب کی گئی۔ بعد میں ابن منظور کی "لسان العرب" کا سب سے بڑا مرجع "تہذیب" ہی ٹھہری۔

ابن منظور نے مقدّمہ میں لکھا: "میں نے ابومنصور ازہری کی "تہذیب اللغتہ" سے زیادہ خوبصورت اور ابن سیّدہ کی "المحکم" سے زیادہ کامل کتاب نہیں پائی۔ یہ دونوں کتابیں لغت کی امہات کتب میں ہیں۔ اور جو ان کے علاوہ ہیں وہ صرف راستہ کی گھاٹیاں ہیں"۔ ازھری کا انتقال ۳۷۰ھ میں ہوا۔

اسی طرح "جوہری" "صحاح" کے مصنّف ہیں انہوں نے اپنی معجم کی ترتیب میں جدید اور نادر اسلوب اختیار کیا کہ جسے بعد میں "قاموس" اور "لسان العرب" کے مؤلفوں نے اپنایا۔ جوہری جن کا اصل نام اسماعیل بن حماد ہے فاراب سے تعلق رکھتے ہیں، عرب ملکوں کا سفر کیا اور ربیعہ و مضر قبائل کے درمیان رہ کر لغت کی تدوین کی پھر وہ نیشاپور لوٹے اور اپنی کتاب "الصّحاح" مرتب کی جو لغت کی امہاتِ کتب میں ہے، ان کا انتقال ۳۹۸ھ میں ہوا۔

علمائے لغت و ادب میں اسی خطّہ سے ایک اور بڑے عالم "الزّوزنی" ہیں۔ ابوعمر واحمد بن محمد بن ابراہیم کا تعلق زوزن سے ہے جو نیشاپور اور ہرات کے درمیان ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ "زوزن" کو "چھوٹا بصرہ" بھی کہتے ہیں کیونکہ اس قصبہ میں اتنے علماء و فضلاء پیدا ہوئے کہ اس کی طرف نسبت بھی باعثِ اعزاز ہوئی۔ زوزنی کی "شرح المعلقات السبع" مختصر اور مفید شرح ہے جو زوزنی کی علمِ لغت، نحو و صرف اور حسن ذوق پر دلالت کرتی ہے۔

اس خطّہ کی علمی تحریک میں ان اُمراء و احکام کا بھی بڑا حصّہ ہے جنہوں نے امارت کے ساتھ ساتھ علم و ادب کی سرپرستی بھی کی۔ ان میں خلفاء بنوعباس کی نسل سے وہ گروہ نمایاں تھا، جو اپنے اجداد اور خراسانیوں کے درمیان مضبوط روابط سے آگاہ تھا، کیونکہ خراسانی سلطنتِ عباسیہ کے ستون تھے۔ چنانچہ عباسی خلفاء کے بیٹے جب کبھی خراسان آتے، تو اہلِ خراسان ان پر دل و جان نچھاور کرتے۔ ان میں سب سے زیادہ شہرت پانے والے "ابوطالب عبدالسلام بن الحسین المامونی" ہیں جو مامون کی نسل سے تھے۔ ثعالبی کہتے ہیں کہ ... "میں نے مامونی کو بخارا میں (۳۸۲ھ) میں دیکھا اور جی بھر کے ان کے ساتھ رہا، ان کی شاعری سنی اور اسے اپنے پاس نوٹ کیا۔ مامونی چاہتے تھے کہ وہ خراسان میں لشکر ترتیب دے کر بغداد فتح کریں، لیکن موت اُن کی آرزو کے آڑے آئی اور وہ ۳۸۳ھ میں بمشکل چالیس سال کی عمر میں

انتقال کر گئے"۔

غیر عباسی اُمراء میں آلِ میکال نے شہرت پائی۔ آل میکال خراسان کے اشراف کا ایک بڑا خاندان تھا۔ ابوالفضل عبیداللہ بن احمد المیکالی اور ابومحمد عبداللہ بن اسماعیل المیکالی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

ان عباسی و غیر عباسی اُمراء نے اپنے اموال خرچ کر کے ایک عظیم علمی وادبی تحریک کی سرپرستی کی اور اسے اپنی عملی راہنمائی فراہم کی۔ چنانچہ مصنّفین انہیں اپنے قصائد اور تصانیف تحفہ میں پیش کرتے اور مالامال ہوجاتے۔ مثلاً ابن درید، ابوالفضل المیکالی کی خدمت میں "الجمهرة" پیش کرتا ہے اور اپنا مشہور قصیدہ " یا ظَبیَۃَ أشبَہ شئَ بالمَھا" ابوالفضل کی تعریف میں کہتا ہے جس میں آلِ میکال کی تعریف میں شعر ملاحظہ ہو۔

أنّ ابن میکال الامیرانتاشنی   من بعدِ مَا قَد کنتُ کالشیئ الملقیٰ

"بے شک امیر ابن میکال نے مجھے (گمنامی سے) نکالا، جبکہ میں گری پڑی چیز کی مانند تھا"

اسی طرح ابومنصور الثعالبی "لطائف المعارف" صاحب بن عباد کے لیے لکھتا ہے اور "فقہ اللغتہ" اور "سحر البلاغتہ" ابوالفضل المیکالی کے لیے اور "النہایتہ فی الکنایتہ" مامون بن مامون امیرِ خوارزم کے لیے لکھتا ہے۔

مختصر یہ کہ وسطِ ایشیا کی سامانی سلطنت نے اپنے فارسی مزاج کے باوجود عربی ادب، اسلامی علوم اور اسلامی فلسفہ کی وہ خدمات انجام دیں جنھیں فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

حواشی

۱۔ المقدسی، شمس الدین البشاری: احسن التقاسیم فی معرفتہ الاقالیم (مدینتہ لیدن، مطبعتہ بریل) ۱۹۰۶ء ص ۲۹۴

۲۔ الثعالبی، محمد بن اسماعیل النیشاپوری: یتیمتہ الدہر فی محاسن اہل العصر (مطبعتہ حجازی، القاہرہ)، ۱۹۴۷ء ص ۳/۹۴

۳۔ یاقوت الحموی: معجم الادباء (مطبعتہ ھندیہ بالموسکی مصر ۱۹۲۳ء) ج ۱/۱۴۱-۱۵۲

۴۔ احمد امین: ظہر الاسلام (مطبعتہ لجنتہ التالیف والترجمتہ والنشر ۱۹۴۵ء) ص ۲۶۰-۲۷۵